Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 7, Issue 1
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

ڈاکٹر ابو بکر راٹھور
لیکچرر، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
ڈاکٹر صوبیہ سلیم
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

پنجابی سے مترجمہ ناول "جاٹ کی کرتوت": ایک مطالعہ

Dr. Abu Bakar Rathore
Lecturer, National University of Modern Languages, Islamabad
Dr. Sobia Saleem
Assistant Professor, National University of Modern Languages, Islamabad

Punjabi Translated Novel “Jaat ki Kartoot” : A Study

The literature of every language is a manifestation of a particular background and creative expression. In order to understand the idea and the topic under discussion in the study of any literature, it is necessary to understand the special environment and creative atmosphere in which this literature appeared. The creations in Punjabi language and literature are important because of their rich and historical cultural and literary background. Punjabi poetic and prose creations are the guardians of the vast and ancient political, social, economic and folk heritage of Punjab. Miran Bakhsh Minhas is one of the first Punjabi novelists. Miran Bakhsh Minhas was born in February 1882 in Tehsil Phalia District of Gujarat. Meeran Bakhsh Minhas, who was associated with teaching, died on August 22, 1957. Being a government employee, he continued to publish his works under a pen name. On the books published after his employment, his name is Munshi Abdul Rahman Miran Bakhsh. Miran Bakhsh Minhas wrote books on poetry, fiction, novels and science. Among all these creations, the most important work is his novel “Jutt Di Kartoot” published in 1923, which was translated into Urdu by Altaf Qamar under the auspices of Academy of Letters, Islamabad. This novel, written in Persian script, was translated into Gurmukhi script and included in the curriculum. The book with Gurmukhi script was first published by Bhai Jodh Singh in 1929 under the name “Nawab Khan”. The background of the Punjabi novels written before this novel had religious tendencies and new themes were not being included in the novel. Miran Bakhsh Minhas, broadening the thematic scope of the novel, described the social problems for the first time and also suggested solutions. A glimpse of Punjabi Culture and customs is also shown in this novel. This thesis contains the study of Punjabi culture and civilization as well as social issues, folk wisdom and Punjabi customs in the novel.

Received:Jan 02, 2026
Accepted: Jan 27 2026
Published:Mar 30, 2026

Key Words: Punjabi, Folk Wisdom, Novel, Miran Bakhsh, Prose, Rituals, Persian Script.

کلیدی الفاظ: پنجابی، لوک دانش، ناول، میراں بخش منہاس، نثر، رسومات، فارسی رسم الخط

ہر زبان کا ادب ایک خاص پس منظر اور نظریے کا مظہر ہوتا ہے۔ اپنے سماجی اور جغرافیائی پس منظر کا نمائندہ ادب موضوع اور زبان کی بنیاد پر ادب پارے کو جنم دیتا ہے۔ اس ادب پارے کے مطالعے اور اس میں موجود موضوع اور زبان کی اصل کو جاننے کے لیے اس کے تاریخی پس منظر سے آگاہی ہونا ضروری ہے۔ پنجابی شعری و نثری تخلیقات پنجاب کے قدیم اور زرخیز سیاسی، سماجی، معاشی اور لوک ورثے کی امین ہیں۔ پنجابی زبان و ادب میں پنجاب کے وسیع اور کشادہ جغرافیائی حدود کی سی کشادگی و وسعت اور اس میں بہنے والے میٹھے دریاؤں کی سی گہرائی، بہاؤ، مٹھاس اور زرخیزی بھی ملتی ہے۔

پنجابی شعری ادب کی تاریخ نثری ادب کے مقابلے میں قدیم ہے۔ پنجابی میں نثری ادب میں ناول کی ابتداء بہت بعد میں ہوئی۔ انگریز کی آمد سے قبل نثری ادب میں داستانوں کی روایات ملتی ہیں۔ پنجابی مصنف بھائی ویر سنگھ کو پنجابی کا پہلا ناول نگار بھی کہا جاتا ہے لیکن ان کے تمام تر ناول مذہب کی تبلیغ اور تلقین کرتے ملتے ہیں۔ "سندری"، "بجے سنگھ" اور "ستونت کور" کے عنوان سے انھوں نے تاریخی اور مذہبی کرداروں اور حوالوں سے ناول لکھے۔ حمید اللہ ہاشمی اپنی تصنیف "پنجابی زبان و ادب" میں لکھتے ہیں :

"پنجابی میں ناول کی ابتداء مغربی ادب کے اثرات سے ہوئی۔ شروع کے ناولوں کا مزاج مذہبی تھا۔ سکھوں کے سوا کوئی اور گروہ آگے نہ آیا۔ ناول کا آغاز بھائی ویر سنگھ (1872ء-1957ء) نے کیا۔ ان کے چار ناول سندری (1897ء)، ستونت کور، بجے سنگھ اور بابا نودھ سنگھ (1921ء) مشہور ہیں۔ پہلے تین ناول مذہبی اور تاریخی قسم کے ہیں جب کہ آخری سماج کا اصلاحی ناول ہے" (1)

میراں بخش منہاس کو پنجابی کے اولین ناول نگاروں میں شمار کیا جاتا ہے اور ان کے زیر بحث ناول "جٹ دی کرتوت" کو پنجابی کے ابتدائی ناولوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ میراں بخش منہاس فروری 1882ء میں تحصیل پھالیہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ رہے اور 22 اگست 1957ء میں فوت ہوئے۔

میراں بخش منہاس سرکاری ملازم تھے اسی لیے سرکاری ملازمت کی پابندیوں کو سامنے رکھتے ہوئے بجائے اصل نام کے وہ منشی عبدالرحمٰن منہاس گجراتی کے قلمی نام سے لکھتے رہے۔ ناول کے علاوہ دیگر اصناف میں بھی طبع آزمائی کرتے رہے۔ شاعری، افسانہ، ناول اور مضامین جیسی اصناف کے علاوہ سائنسی موضوعات پر بھی لکھا۔ ان کی زندگی میں ان کی کتب قلمی نام سے شائع ہوئی لیکن بعد کے ایڈیشن میں ان پر منشی عبدالرحمٰن عرف میراں بخش منہاس لکھا گیا۔ ان کے ناول "جٹ دی کرتوت" کے متعلق حمید اللہ ہاشمی لکھتے ہیں
:

"میراں بخش منہاس پہلے مسلمان ناول نگار ہیں جنھوں نے پنجابی (فارسی رسم الخط) میں ناول "جٹ دی کرتوت عرف نواب خان" 1923ء میں لکھا۔ اس میں دیہاتی زندگی کی مکمل جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اس تخلیق کا بڑا مقصد دیہات سدھار تحریک کو مؤثر اور کامیاب بنانا تھا۔ یہ ایک جاٹ کی نااندیشیوں کی داستان ہے جو جھوٹی ظاہرداریوں کو نبھانے کی خاطر قرض لیتا ہے اور پھر اس گرداب سے نکل نہیں سکتا۔ فنی اور تکنیکی اعتبار سے یہ مکمل اور خوبصورت ناول ہے۔ اس ناول کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ 1929ء میں بھائی جودھ سنگھ نے مصنف کی اجازت سے اس ناول کو گورمکھی رسم الخط میں شائع کر کے پنجاب کے اسکولوں کے پنجابی نصاب میں شامل کیا" (2)

نصاب میں شامل کیے جانے کی وجہ سے اس ناول کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ایک طویل عرصے تک یہ ناول پنجابی نصاب میں شامل رہا۔ فنی اور تکنیکی خصوصیات کے علاوہ اس ناول کی ایک خوبی ان موضوعات کا چناؤ ہے جو اس سے قبل پنجابی موضوعات کا حصہ نہیں تھے۔ بدلتے حالات اور وقت کے تقاضے جانتے ہوئے ناول کی صنف کو اختیار کرتے ہوئے، فن اور تکنیک کے پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ ناول لکھا۔ الطاف قمر نے "جاٹ کی کرتوت" کے عنوان سے اس ناول کا ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ 1994ء میں اکادمی ادبیات پاکستان نے شائع کیا۔ ناول کے متعلق محمد آصف خان لکھتے ہیں :

"جاٹ کی کرتوت" سے قبل پنجابی میں جتنے ناول لکھے گئے تھے ان میں سے بیشتر کا پس منظر مذہبی رجحانات کا حامل تھا نیز کینوس بھی تنگ اور محدود تھا۔ میراں بخش منہاس نے اپنی قلم کے اعجاز سے نہ صرف ان دیواروں کو گرایا بلکہ ناول کے پھیلاؤ میں اضافہ کیا اور یوں پنجابی ناول حقیقت نگاری اور معاشرتی اصلاح کے راستے پر چلنے کے قابل ہو گیا جس پر بعد کے لکھنے والوں نے بڑے نمایاں نقوش اجاگر کیے۔ اس کا کریڈٹ ہمارے اسی باصلاحیت اہل قلم کو جاتا ہے" (3)

ناول کا مرکزی کردار نواب خان دیہاتی پس منظر کا حامل ایک ایسا شخص ہے جو معاشرتی رسومات کی بندشوں میں مکمل طور پر جکڑا ہوا ہے۔ اس کا تعلق ایک ایسے گروہ سے ہے کہ جن کے نزدیک رسوم و رواج اور روایات کے نام پر سب کچھ داؤ پر لگا دیا جانا بھی غلط نہیں سمجھا جاتا۔ آباؤ اجداد کی رسموں کے بوجھ تلے سسکتے بلکتے زندگی گزار دینا لیکن اف تک نہ کرنا ان کی مجبوری بن جاتی ہے۔ نواب خان خاندانی اور علاقائی رسوم رواج میں اس طرح جکڑا ہوا ہے کہ بیٹی کی شادی پر ان رسومات کو پورا کرنے کے لیے اس کی آمدن اور وسائل کم پڑ جاتے ہیں۔ وہ اپنے ہی لوگوں میں اپنی دھاک بٹھانے کے لیے سود پر ساہوکار سے رقم اور سامان لیتا ہے۔ پیر چادر سے باہر نکالنے کا نتیجا یہ نکلتا ہے کہ وہ قرضے کے بوجھ تلے

دب جاتا ہے۔ موقع پرست ساہوکار اور خاندان والوں کی سازشوں کی نتیجے میں اسے اپنی جان بچانے کے لیے رات کے اندھیرے میں اپنے آبائی علاقے کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ایک دوست کی مدد سے وہ دور کے ایک علاقے کی طرف سفر شروع کرتا ہے۔دوران سفر اسے راستے کی صعوبتوں اور تکالیف کی وجہ سے اپنی اولاد کی موت کا دکھ بھی سہنا پڑتا ہے۔جس بیٹی کی شادی کے لیے قرض لیا تھا،اس کے سسرال والے بھی منہ پھیر لیتے ہیں اور بیٹی کو میکے واپس بھیج دیتے ہیں۔اپنوں کے بدلتے رویوں، حالات اور ٹھوکروں سے اسے ہوش آتی ہے اور اپنی غلطیاں بھی دکھائی دینے لگتی ہیں۔دوبارہ سے اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کی کوششوں میں غیروں کا ساتھ اور ہمدردی اس کے کام آتے ہیں اور بالآخر ایک طویل جدوجہد کے بعد وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ ساہوکاروں کا قرض ادا کر سکے اور اپنی رہن رکھی ہوئی زمین اور جائیداد واپس لے سکے۔اس طویل سفر میں جن مراحل سے وہ گزرتا ہے وہ اس کی زندگی اور اس کے تجربات میں اضافہ کرتے ہیں۔اپنے کھوئے ہوئے مقام کو دوبارہ سے حاصل کرنے کے بعد اس کی ذات میں ایک ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے اور باقی ماندہ زندگی اپنے گاؤں اور اپنے گھر میں گزارتا ہے۔

میراں بخش منہاس نے اپنے عہد کے سماجی مسائل اور رویوں کو اپنے ناول کا موضوع بنایا۔ان مسائل کو موضوع بناتے ہوئے، کہانی کے واقعات کو ترتیب دیتے ہوئے اس ماحول اور ان عوامل کا ذکر کیا جو ان مسائل کی بنیاد تھے۔ناول میں شادی بیاہ کے موقع پر نبھائی جانے والی ان رسومات کا ذکر ملتا ہے جن کی تکمیل کی خاطر انسان کو اپنی طاقت سے زیادہ بوجھ اٹھانا پڑتا ہے اور نتیجتاً ساہوکاروں کا سود در سود قرضہ، برادری قبیلے کی طعنہ بازی و تہمت طرازی اور بیٹی کے سسرال والوں کے نخروں اور تقاضوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

شادی کے موقع پر ادا ہونے والی رسموں میں سے ایک رسم "مائیوں" کی ہے ۔اس موقع پر نواب خان اپنی ناک بچانے کی خاطر پیسے کو پانی کی طرح بہاتا ہے۔ناول میں مائیوں کی رسم کا منظر کچھ یوں ہے :

"سلیمہ کیا دیکھتی ہے کہ بہت وسیع صحن ہے جس میں کئی صحن ہیں۔ایک طرف حلوہ پک رہا ہے اور گھنگھنیاں ابل رہی ہیں۔دوسری طرف لڑکیاں جمع ہیں اور دائرہ باندھے کھڑی ہیں۔درمیان میں ایک میلے میلے سے بوسیدہ کپڑوں والی لڑکی کھڑی ہے، سر کے بال خشک ہیں۔جھولی گھنگھنیوں سے بھری ہے۔لڑکیاں اسے دوتا ملتے ہوئے اونچی آواز میں نغمہ سرا ہیں۔ گھنگھنیوں کے ٹوکرے بھرے پڑے ہیں۔گاؤں کی عورتیں تھالیوں میں دانے لا رہی ہیں اور بدلے میں گھنگھنیاں، گڑ اور چوری لے جا رہی ہیں" (4)

شہر سے آئی ہوئی لڑکی کو مائیوں کی رسم عجیب لگتی ہے۔وہ خاندان کی ایک بڑی عورت سے جب اس رسم اور دائرے مین کھڑی میلی میلی سے لڑکی کے متعلق پوچھتی ہے تو وہ بتاتی ہے :

"وہی لڑکی مائیوں بیٹھی ہوئی تھی۔اس کی شادی ہے۔دیکھو ناان کی عقل پر کیسا پردہ پڑا ہوا ہے کہ جس لڑکی کی شادی ہوتی ہے اسے سات آٹھ دن میلا کچیلا رکھتے ہیں اور یہ خیال ہوتا ہے کہ جب یہ شادی کا جوڑا پہنے گی تو خوب روپ چڑھے گا" (5)

اس موقع پر ایک طویل فہرست شادی کے موقع پر تیار ہونے والے پکوانوں کی ہوتی ہے۔علاقے بھر میں انواع واقسام کے پکوان تقسیم کیے جاتے ہیں۔ایک خاص دن ان کی تیاری کی جاتی ہے اور تقسیم کیے جاتے ہیں۔محلے بھر کی خواتین کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ پکوان کی اس تیاری کے عمل میں شامل ہوں۔ناول میں اس کی منظر کشی کچھ یوں ہے :

"ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ میراثن اور تین چار دوسری لڑکیاں سلیمہ اور فاطمہ کو بلانے کے لئے آئیں۔کہنے لگیں آج "پکوان" تیار کرنا ہے۔چلو چل کے لڈو بیلو۔ہاں نہ کرتی دونوں چل پڑیں۔وہاں جا کر سلیمہ نے دیکھا کہ ٹوکرے میدے سے بھرے پڑے ہیں۔تین چار لڑکیاں پنجیری ڈال کر لڈو بناتی جاتی ہیں۔دو تین کڑائیوں میں لڈو تل رہی ہیں۔سلیمہ نے باتوں باتوں میں اندازہ لگا لیا کہ دو بوری میدہ، تین کنستر گھی، تین بوری پنجیری اور آٹھ دس روپے نقد رسموں لاگوں پر خرچ ہو جائیں گے۔اور سب کچھ برادری یا بارات کے کام نہیں آنا بلکہ یہ گاؤں اور برادری کے بچوں میں مٹھائی کی جگہ بانٹے جائیں گے" (6)

شادی کے موقع پر ایک اہم ترین رسم "گیت" ہے۔دنیا کے کسی بھی خطے یا تہذیب کو دیکھا جائے تو ان کے ہاں خوشی کے موقع پر گیت گانے کے حوالے ملتے ہیں۔انسان اپنے جذبات کے اظہار کے لیے الفاظ کا سہارا لیتا ہے اور گیت اس کی ایک شکل ہے۔شہر سے آئی ہوئی لڑکی کے لیے حیرت کی بات شادی کے موقع پر گیت گانا نہیں تھا بلکہ ان گائے جانے والے گیتوں میں بیان ہونے والے مناظر اور استعمال ہونے والے الفاظ کا تھا۔

"سلیمہ یہ اندازہ لگا کر دل ہی دل میں اس فضول خرچی پر کڑھ رہی تھی اور حیران ہو رہی تھی کہ اتنے میں لڑکیوں نے کام کے ساتھ ساتھ گانا شروع کر دیا۔یہ گیت نہ تو کسی بڑے آدمی کی جنگ سے متعلق تھے، نہ کسی کے کارناموں کے بارے میں اور نہ ہی یہ مبارک باد کی گیت تھے، نہ ہی خوشی اور سہاگ کے۔بلکہ ایسی مغلظات اور پھکڑ الفاظ پر مشتمل تھے جو بھنگیوں اور مہترانیوں نے بھی آپس کی لڑائیوں میں استعمال نہ کیے ہوں گے" (7)

دراصل اس موقع پر گائے جانے والے گیتوں میں لڑکی کے سسرال والوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور سسرال میں موجود رشتوں کو ہنسی مذاق کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ رات بھر جاگ کر گزارنے کے عمل میں نیند کی سستی سے دور رہنے کے لیے گیت گائے جاتے ہیں۔ ایسے گیتوں کو "جاگا" کے گیت بھی کہا جاتا ہے۔ مظہر الاسلام اپنی کتاب "لوک پنجاب" میں گیت کی اس قسم کی تعریف میں لکھتے ہیں :

"وہ گیت جو شادی سے قبل رات بھر جاگنے کی رسم پر گائے جاتے ہیں" (8)

اس موقع کی ایک اور رسم "جوڑا" کی رسم ہے۔ دلہن کی سہیلیوں اور خاندان کے بڑوں کی طرف سے خوشی کے موقع پر دلہن کو تحائف دیے جاتے ہیں۔ ان تحائف مین استعمال کے کپڑوں کے علاوہ اس کی زیب و آرائش کا سامان بھی ہوتا ہے۔ یہ تحائف خاموشی سے نہیں دیے جاتے بلکہ ان کے لیے ایک دن مخصوص کیا جاتا ہے۔ اس دن تحائف دینے والے تمام افراد باری باری گروہ کی صورت میں آتے ہیں اور تحائف پیش کرتے ہیں۔ آنے والے مہمانوں کے لیے مٹھائی اور کھانے کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ اس طرض یہ رسم پوری ہوتی ہے۔ ناول میں اس کا بیان کچھ اس طرح ہے :

"اگلے دن صبح سے شام تک برادری اکٹھی ہوتی رہی۔ کبھی ایک طرف سے عورتوں کا گروہ چلا آ رہا ہے اور کبھی دوسری طرف سے۔ گاتی ہوئی لڑکیوں کے آگے آگے ڈھول اور دف بجتے آ رہے تھے۔ یہ سب کیا ہے؟۔ یہ خالہ جوڑا لے کر آئی ہے، یہ پھوپھی ہے، یہ چچا ہے، یہ ننھیال والے تحائف لے کر آئے ہیں۔ سارا دن اسی طرح گزر گیا۔ کارندے آدھی رات سے کھانا پکانے میں مصروف تھے۔ کہیں پک رہا ہے کہیں تقسیم ہو رہا ہے" (9)

شادی کے موقع پر گیت اور ڈھولکی کا چولی دامن کا ساتھ رہتا ہے۔ خوشی کی کوئی رسم ادا کرنی ہو یا کسی آنے والے مہمان کو خوش آمدید کہنا ہو۔ کام کرنے والے کارندوں کو تازہ دم رکھنا ہو یا تھک ہار کر بیٹھے ہوئے مہمانوں اور سہیلیوں کو پھر سے میدان میں لانے کے لیے تیار کرنا ہو، ڈھولکی کا کردار سب سے اہم ہوتا ہے۔ شادی کی تقریب کے باقاعدہ آغاز سے کئی دن پہلے گھر میں ڈھولکی رکھ لی جاتی ہے۔ صبح شام سب سے بڑی مصروفیت یہی رہتی ہے۔

"لڑکیاں ڈھولکی بجا بجا کر گا رہی ہیں۔ گا گا کر ہانپنے لگی ہیں۔ سر طاق نسیاں پر رکھے ہوئے ہیں۔ گانے بجانے، لوگوں کے جولے اور بچوں کی چیخوں اور شور سے وہ حال ہو رہا ہے کہ چاہے کوئی چیخ چیخ کر پکارے کوئی سنتا ہی نہیں۔ دن میں کئی ڈھولک ڈھیلے ہو کر پھٹ گئے اور کئی گھڑوں کے منہ جوتوں کی مار سے ٹوٹ گئے" (10)

شادی کی رسومات میں سے ایک رسم بارات کی ہے۔ لڑکی کی رخصتی کے موقع پر لڑکے والوں کے ساتھ آنے والے افراد کو باراتی کہا جاتا ہے۔ دولہے کے ساتھ آنے والوں کی ایک بڑی تعداد بطور مہمان اس کا حصہ ہوتی ہے۔ اس موقع پر ان کے استقبال کی ایک تقریب ہوتی ہے۔ گیت، باجے، ڈھول، شہنائی اور آتش بازی اس کا اہم حصہ ہیں۔ بارات کا استقبال کیا جاتا ہے۔ مٹھائی اور نقد رقم ان کے سروں سے پھیر کر بطور صدقہ تقسیم کی جاتی ہے۔ بارات میں شامل افراد کی شان اور انداز جدا ہوتا ہے۔ وہ ایک خاص تفاخرانہ انداز سے آگے بڑھتے ہیں۔ بارات کے موقع کی منظر کشی کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں :

"آگے آگے آتش بازی چل رہی ہے۔ پھر باجا ہے، پھر مجرا، اس کے پیچھے تقریباً ایک سو باراتی ہیں جو طرے لہراتے ہوئے ہاتھوں میں لاٹھیاں اٹھائے چلے آ رہے ہیں۔ ان کے پیچھے دس دس گھڑ سواروں کے گروپ ہیں۔ ان کے درمیان پندرہ اونٹ خوب سجے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ سواروں کے ہاتھ میں دوشاخے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ گاؤں کے نزدیک پہنچ کر برات ترتیب سے کھڑی ہو گئی ہے۔ آتش بازوں نے گولے، انار، چکر، ہوائیاں، مہتابیاں چلا کر فضا کو دھواں دھواں کر رکھا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ ایسا لگتا ہے کہ فوج قلعہ فتح کرنے اٹھی ہے" (11)

بارات کے استقبال اور خاطر مدارت کے بعد ہنسی مذاق اور رسومات کے لیے دلہن کی سہیلیاں جوڑے کے ارد گرد دائرہ بنا لیتی ہیں۔ ایسے میں دوسری طرف جہیز کی نمائش اور عزیز و اقارب کی طرف سے بطور تحفہ ملنے والی رقم جمع کی جاتی ہے جو "نیوندرا" کہلاتی ہے۔

محاورات، ضرب الامثال اور کہاوتیں کسی بھی تہذیبی ورثے کا قیمتی سرمایہ ہوتی ہیں۔ حکایات ہوں کہ ضرب الامثال یا محاورے، لوک دانش کا منبع ہوتے ہیں۔ لوک دانش کے پس منظر میں وسیع تجربہ اور عملی زندگی کا نچوڑ شامل ہوتا ہے۔ زیر بحث ناول کی ایک بڑی خوبی اس میں شامل ضرب الامثال، کہاوتیں، محاورے اور اشعار ہیں۔ میراں بخش منہاس نے پنجابی تہذیب و ثقافت کی نمائندگی کرتے ہوئے ان تمام کو بخوبی برتا ہے۔ مصنف نے لوک دانش کے بیان کرنے میں جو سب سے مؤثر تکنیک اپنائی ہے وہ ناول کے ہر نئے باب کے آغاز میں درج پنجابی اشعار ہیں۔ ان اشعار سے مصنف کی شعری صلاحیتوں کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ بطور حوالہ چند اشعار کا ترجمہ دیکھیے :

"(اپنی) انگوٹھی دکھانے کے لیے میراثن نے گھر کو شعلوں کی نذر کر دیا۔ جھونپڑی جلا کر تماشا دیکھنا کہاں کی دانائی ہے" (12)

نواب خان نے اہل علاقہ اور خاندان کے سامنے اپنی دولت کی نمائش کے لیے ساہوکاروں سے رقم ادھار لی اور اس کی یہ حرکت اسے لے ڈوبی۔ محولہ بالا شعر کے بعد ناول کے اس باب میں شادی پر اٹھنے والے اخراجات کی تفصیل ملتی ہے۔ ایک اور باب کا عنوان "جہیز" ہے۔ اس کے آغاز میں شعر درج ہے :

"کسی احمق نے جسم کو حدت پہنچانے کے لیے منہ میں انگارہ ڈال لیا۔ ہاتھ اور پاؤں تو گرم نہ ہوئے، الٹا منہ جل گیا" (13)

لوگوں پر اپنی دولت کی دھاک بٹھانے کے لیے حاصل کی گئی ادھار کی رقم نے کسی قسم کا فائدہ تو نہ پہنچایا لیکن اس کا نقصان ضرور ہوا۔

نواب خان نے شادی کی تقریب سے فارغ ہو کر ساہوکاروں سے اخراجات کی تفصیل مانگی۔ جس باب میں یہ تفصیل بیان ہوئی ہے اسے "ساہوکاروں سے حساب کتاب" کا عنوان دیا گیا ہے۔ ساہوکاروں سے لی جانے والی رقم کو نواب خان اپنی زندگی کی بقا کا ضامن سمجھ رہا تھا لیکن یہی رقم اس کے دیوالیے اور تباہی کا سبب بنی۔ اس موقع پر لکھا شعر ہے:

"اندھے نے سانپ کو لاٹھی سمجھ کر خوشی خوشی اس پر ہاتھ ڈال دیا، آگے سے سانپ نے ڈنگ مار کر اسے زندگی کے روگ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آزاد کر دیا" (14)

ہر نئے باب کے آغاز میں درج اشعار کے علاوہ کرداروں سے بھی ایسے جملے سننے کو ملتے ہیں۔ باب "جاٹوں کی ضد" میں موجود کردار جب آپس میں شادی پر ہونے والے اخراجات کا ذکر کرتے ہیں تو ایک کردار کہتا ہے:

"اور ابھی تو یہ کام زوروں پر ہے۔ بڑے لوگ تو چھلانگ لگا کر گلے گلے پانی میں جا کھڑے ہوتے ہیں لیکن غریب بیچارے وہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی ڈوب مرتے ہیں" (15)

سلیم اللہ نامی کردار چوہدری کو جھوٹی شان و شوکت سے بچنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے کہ جیتے جی دنیا میں لوگوں کو خوش رکھنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ اس موقع پر وہ دنیا کو کتے سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتا ہے:

"چوہدری صاحب! دنیا کو کون خوش کر سکا ہے اس کی مثال تو کتے کی سی ہے۔ جو راہ چلتوں پر بھونکتا ہے۔ جو مسافر کتے سے ڈر کر پیچھے کی طرف بھاگ اٹھے یا اس کی منت سماجت کرے اور ہاتھ جوڑے کہ "اللہ کے واسطے چپ ہو جا مجھے گزر جانے دے"۔ کتا اس پر زیادہ بھونکتا ہے اور اگر داؤ لگے تو کاٹ کھاتا ہے لیکن اگر راہی اس کے بھونکنے کی پرواہ نہ کرے اور سیدھی راہ پر چلتا رہے تو کتا ایک دو بار بھونک کر خود ہی چپ ہو جاتا ہے" (16)

یہ سچ ہے کہ دنیا والوں کی باتوں کی جتنی فکر کی جائے وہ اتنا ہی انسان کی سوچ پر حاوی ہو جاتی ہیں اور زندگی اجیرن کر دیتی ہیں۔

فنی سطح پر اگر ناول کو پرکھا جائے تو تکنیک کے اعتبار سے ناول آسان اور الجھاؤ سے پاک ہے۔ میراں بخش منہاس نے اپنے معاشرتی نظریات، مسائل اور حل کی تجاویز کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی کہانی کو سادہ اور آسان انداز میں بیان کیا ہے۔ مصنف نے موضوعاتی سطح پر نیا تجربہ کرنے کے لیے اور اپنے نظریے کی تبلیغ کے لیے ناول میں کئی جگہ پر کرداروں کی مدد سے اپنا مافی الضمیر بیان کیا ہے تو کہیں کہیں ایسا لگتا ہے کہ جیسے مصنف کے اندر کا کوئی واعظ یا خطیب پوری کہانی میں ساتھ ساتھ ہے۔ کسی دقیق نکتے کو سمجھانے کی خاطر مصنف کے اندر کا مبلغ طویل بحث بغیر کسی کردار کے خود بیان کرنے لگتا ہے۔ ایسے میں ناول کی تکنیک یا فن سے زیادہ اس کا نکتہ نظر حاوی ہوتا نظر آتا ہے:

"ہمارے ہاں یہ بدعت بری طرح پھیل چکی ہے کہ ساس نندیں اپنی بہوؤں اور بھابیوں کو تنگ کرنا اپنا فرض سمجھتی ہیں اور اگر کوئی دانائی کی بات کرے اسے افلاطون کہہ کر چڑاتی ہیں اور بے عقلی کر بیٹھے تو پیچھے پڑ جاتی ہیں۔----------۔ اتنی سختی کمہار اپنے گدھوں پر بھی نہیں کرتا جتنی بعض اوقات بہو کے ساتھ ہوتی ہے-------------۔ اس خرابی کا علاج یہ بھی ہے کہ ہم بیٹوں اور بیٹیوں کی شادی اس وقت کریں جب وہ جوان اور گھر بسانے کے قابل ہوں اور ساتھ ہی ان کا حق انھیں دے کر علیحدہ گھر بنا دیں۔ ایسا کرنے سے روز روز کے جھگڑے اور لڑائیاں آج کل گھر گھر دیکھنے میں آ رہی ہیں بہت حد تک دور ہو جائیں گی اور والدین بیٹے، بیٹیوں اور بھائیوں میں پیار اور اتفاق بڑھے گا" (17)

ناول کے کرداروں کے ذریعے سے دوست، دشمن، تاجر اور ناصح جیسے تمام کرداروں کی اصلیت بیان ہوتی نظر آتی ہے۔ دیہات کی منظر کشی، قانونی معاملات اور تہذیب و تمدن کا بیان ناول کی ایک اور خوبی ہے۔ پنجاب کی دھرتی سے تعلق رکھنے والے مصنف نے اپنے وسیع تہذیبی و ثقافتی ورثے کو احسن طور پر ناول کا حصہ بنایا۔ ناول کے پڑھنے سے قاری پنجاب کے رسوم و رواج، تہذیب و ثقافت، لوک دانش اور پنجاب کے دیہات کی نفسیات اور زندگی سے واقف ہو جاتا ہے۔ پنجابی کے اولین ناول ہونے کی حیثیت سے صرف موضوعاتی ہی نہیں بلکہ فنی سطح پر بھی اس کی اہمیت مسلمہ ہے۔

حوالہ جات

1: حمید اللہ ہاشمی، پنجابی زبان وادب، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، پہلی اشاعت، 1988ء، ص:252

2: ایضًا، ص:253

3: محمد آصف خان، مضمون: "کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں"، مشمولہ: جاٹ کی کرتوت، مترجم: الطاف قمر، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، 1994ء، ص:09

4: ایضاً، ص:13

5: ایضاً، ص:14

6: ایضاً، ص:19

7: ایضاً، ص:20

8: مظہر الاسلام، لوک پنجاب، لوک ورثہ، اسلام آباد، دوسری اشاعت، جنوری 1988ء، ص:420

9: ایضاً، ص:20

10: ایضاً، ص:20

11: ایضاً، ص:21

12: ایضاً، ص:19

13: ایضاً، ص:23

14: ایضاً، ص:25

15: ایضاً، ص:15

16 : ایضاً، ص:16

17: ایضاً، ص:35